ساختیاتی لسانیات......فہم معانی کا جدید منہج اور ترجمہ قرآن پر اس کے اثرات

ڈاکٹر حافظ محمد عبدالقیوم، (اسسٹنٹ پروفیسر) شیخ زاید اسلامک سینٹر
پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، پاکستان

تمہید

عقلی اعتبار سے حقیقت تک رسائی کے لیے مختلف نظام ہائے فکر معرض وجود میں آتے رہے ہیں اور یہ نظام ہائے فکر حقائق تک رسائی کیلئے مختلف طریقہ کار اپناتے رہے ہیں۔ ڈیکارٹ(Descarte) اسپنوزا(Spinoza) اور لائبنز (Leibniz) نے ریاضیاتی طریقہ کار اپنایا تو جان لاک(John Locke) نے تجربی طریقہ(Empirical Method)۔ ان فلاسفہ میں مشترک بات یہ ہے کہ انہوں نے پہلے سے مروجہ طریقہ ہائے کار کو اپنایا۔ البتہ جان لاک کے بعد آنے والے مغربی مفکرین کے ہاں ایک نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے کہ اب کسی مروجہ طریقہ کار کو مستعار لینے کی بجائے اپنے مخصوص طریقہ کار کے تحت اپنی فکر کو متعارف کروایا۔ ان میں پہلا اور نمایاں نام کانٹ (I. Kant) کا ہے، جس کے منہج کو ماورائی طریقہ کار(Transcendental Method) کہا جا سکتا ہے۔ کانٹ کے بعد مختلف طریقہ ہائے کار متعارف ہوتے رہے ہیں، جیسے جدلیاتی طریقہ کار (Dialectical Method) مظہریاتی طریقہ کار(Phenomenological Method) وغیرہ۔ اس طرح کسی فلسفی کے فکری نظام کے ساتھ ساتھ طریقہ کار کو آنے والے وقت میں اہمیت حاصل ہوتی چلی گئی۔

اس لحاظ سے یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ آج کسی بھی نظام فکر کی نسبت طریقہ کار کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ انہی طریقہ ہائے کار میں سے آج ساختیات (Structuralism) کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس ساختیاتی منہج میں چونکہ لسانیات کو بنیادی و مرکزی اہمیت دی گئی ہے اس لیے اس منہج کو ساختیاتی لسانی تجزیہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ساختیاتی لسانیات سے پہلے مطالعہ زبان میں تاریخی(Diachronic) طریقہ رائج تھا۔ سوسیور(Ferdinand de saussure) نے تاریخی کی بجائے ہم زمانی(Synchronic) طریقہ متعارف کروایا۔

ساختیاتی منہج کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ طریقہ کار فلسفہ کے تحت نہیں بلکہ ماہرین لسانیات نے متعارف کروایا ہے۔ ساختیاتی منہج لفظ و معنی کے باہمی ربط و تعلق تلاش کرنے کا نام ہے۔ ساختیات کسی ثقافتی مظہر کے کُلی نظام یعنی ساخت کو دریافت کرنے کا ایک منہج ہے۔ ساختیات زبان کے سائنسی ماڈل کا نام ہے۔ جبکہ جدلیاتی طریقہ کار فلسفیانہ ہے۔

انسانی زندگی میں جو باتیں اٹل حقائق کے طور پر مانی جا رہی تھیں اس منہج نے ان پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ اس ساختیاتی منہج کے تحت یہ کہا جا رہا ہے کہ صدق و کذب مطلق (Absolute) نہیں بلکہ ان کا تعین زمان (Time)، مکان (Space) اور کلچر (Culture) کی کوئی حیثیت میں رکھ کر کیا جائے گا۔ چناں چہ صدق و کذب کی حیثیت مطلق (Absulte) نہیں ہے بلکہ اضافی (Relative) ہے۔ زمان و مکان اور کلچر ان کی حیثیت کا تعین کرے گا۔

زبان (Language) کے معاملہ میں کہا جا رہا ہے کہ ہر حقیقت لفظ کے اندر اور لفظ کی وجہ سے ہے، اس طرح حقیقت کا کوئی آزاد "وجود" بھی نہیں ہے، ہر "حقیقت" ایک لسانی تشکیل ہے۔ زبان کائنات کی جو بھی تصویر کشی کرتی ہے وہ من مانی اور غیر منطقی ہوتی ہے اور اس کی جڑیں حقیقت میں نہیں بلکہ لسانی نظام میں ہوتی ہیں۔

اسی طرح یہ بات مسلمہ حیثیت اختیار کر چکی تھی کہ کسی بھی کلمہ یا جملہ کے تین لازمی اجزا ہوتے ہیں: اسم، فعل، حرف۔ اور یہ ایک ایسی عقلی بات تھی جو بلا تفریق دنیا کی تمام زبانوں پر صادق آتی تھی مگر ساختیاتی لسانی تجزیہ نگاروں کی طرف سے اب یہ کہا جا رہا ہے کہ "اسم" کسی چیز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ہر لفظ اور کلمہ کسی مخصوص حالت میں بولا جاتا ہے۔ اس طرح کسی بھی کلمہ میں معنی تلاش کرنے کی بجائے اس صورت احوال کا تجزیہ کرنا چاہیے جس میں وہ کلمہ بولا گیا ہے۔ لفظوں کے معنی جنس سے نہیں بلکہ ساخت سے پیدا ہوتے ہیں۔ زبان حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ زبان کی ساخت حقیقت کو پیدا کرتی ہے۔ اس طرح قواعد (Grammer) لغت (Diction) اور جملہ (Sentence) کی بجائے ساخت (Structure) کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

ساختیت کا تعارف

ساختیاتی منہج کا انتساب سوسیور کی طرف کیا جاتا ہے۔ سوسیور نے اپنی فکر کے لیے سٹرکچرل ازم (Structuralism) کی بجائے سٹرکچر (Structure) کا لفظ استعمال کیا ہے مگر آج علمی حلقوں میں سٹرکچرل ازم کا لفظ متداول ہے۔ بیسویں صدی میں علمی دنیا میں جو انقلابی تبدیلیاں آئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ سماجی، کرداری اور ادراکی علوم کا منہج ساختیاتی منہج پر استوار ہوتا چلا گیا ہے۔

> "Most 20th-century humanistic thought notably including semiotics and linguistics as well as the social, behavioral, and cognitive sciences (e.g., sociology, psychology, and anthropology-which the French refer to as less sciences humaines) ultimately can be defined and described as belonging to a larger structuralist paradigm originally outlined by Saussure."(1)

ساختیاتی لسانیات کا تعلق علم علامت (Semiotics) سے ہے، بلکہ علم علامت کے جز کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم علامت

کی تین شاخیں بیان کی جاتی ہیں:

الف۔ نحویات و ترکیب کلام (Syntactics)   ب۔ معنویات (Samantics)

ج۔ لسانیات کی وہ شاخ جو خیال کے اور اظہار کنندہ کے باہمی ربط و تعلق سے بحث کرتی ہے۔ (Pragmatics)

مورس لکھتے ہیں:

> Morris divided semiotics into three branches: syntactics (the study of relations between signs), semantics (the study of relations signs and things for which they stand) and pragmatics (the study of relations between signs and those using them).(2)

اس طرح بعض محققین نے ساختیاتی منہج کے تحت یا اسی منہج کی شاخ علم معنیات (Semantics) کے تحت قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے۔ جن میں معروف جاپانی محقق توشی ہیکو ازتسو (Toshihiko Izutsu)، معروف مصری اسکالر حامد نصر ابوزید، الجزائری اسکالر محمد ارکون (Arkoun) (جو فرانسیسی یونیورسٹی سوربون سے وفات تک پروفیسر امیرٹس "Emeritus" کے طور پر وابستہ رہے) وغیرہ نمایاں ہیں۔

ساختیاتی منہج میں علم علامت کو چونکہ نمایاں مقام حاصل ہے اس لیے ذیل میں پہلے علم علامت کا تعارف کروایا جاتا ہے۔

علم علامت (Semiotics)

دو اصطلاحات "Semiotics"، "Semiology" اور ان سے ماخوذ دیگر متعلقہ اصطلاحات کا ماخذ یونانی لفظ "Semeion" ہے، جس کا معنی نشان یا علامت "Sign" کا ہے۔

محقق سیبوک (Sebeok) کے مطابق یہ یونانی لفظ "Semeiotike" سے مشتق ہے۔ جس کا انگریزی میں معنی "Observant of Signs" کے ہیں یعنی نشانات کا مشاہدہ کرنے والا۔ (واضح رہے کہ یونانی لفظ "Sema" کا معنی نشان کے ہیں)۔ لفظ "Semeiotike" اپنے یونانی پس منظر میں طبی حوالہ "Medical Reference" کا حامل ہے، اور علم طب میں یہ لفظ "Symptomatology" "بیماری کی علامات کا علم" کے لیے مستعمل ہے۔

محقق ڈیلی (Deely) کی یہ تحقیق ہے کہ جدید علم لسانیات (Linguistics) اور علم انسانیات (Anthrapology) میں یہ لفظ اب جو معنی رکھتا ہے، اپنے موجودہ معنی میں یونانی اور نہ ہی لاطینی زبان میں متداول رہا ہے۔

فرانسیسی مفکر جان لاک (John Locke) (م ۱۷۰۴ء) نے یہ لفظ "Semiotike" اپنی کتاب "Essays Concerning humane understanding" میں استعمال کیا، جو اس نے ۱۶۸۹ء میں لکھی تھی۔ جان لاک کہتا ہے

کہ الفاظ خیالات کے اظہار کی وہ علامات ہوتی ہیں جو بولنے والے کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ مغربی فلسفی لاک کے بعد ۱۷۵۲ء میں فرانسیسی ڈکشنری ''Dictionnaire de Trevoux'' میں یہ لفظ ''Semiologie'' طبی معنی ہی میں استعمال کیا گیا۔

انیسویں صدی میں اس لفظ کے مختلف ہجے (Spelling) متداول تھے، جیسے: "Semiotic, Semeiotic" وغیرہ۔ محقق سیبوک (Sebeok) کے بقول انگریزی میں یہ لفظ ''semiotic'' پہلی مرتبہ چارلس موریس (Charles Morris) نے ۱۹۴۶ء میں متعارف کرایا۔ اور یہی لفظ بعد میں لفظ ''Semantics'' اور لفظ ''Linguistics'' پر قیاس کرتے ہوئے حرف ایس (S) کے اضافے کے ساتھ (یعنی ''Semiotics'') انگریزی زبان میں متداول ہوا۔ اور پھر موجودہ معنی میں ۱۹۶۰ء کے وسط میں مستعمل ہوا۔

اس طرح لفظ ''Semiotics'' کے دو معانی سامنے آتے ہیں، اول یہ کہ یونانی زبان کے اعتبار سے طبی معنی کا حامل ہے: ''Symptomatology'' یعنی بیماری کی علامات کی تعبیر: ''The interpretation of the signs of disease''۔ اس کے دوسرے معنی جو موجودہ عہد میں اہمیت اختیار کر گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ''علامات یا نشانات کا علم'' ''Doctrine/theory/science of Signs''۔

موجودہ عہد میں اس لفظ کی اہمیت فرانسیسی محقق اور ماہر لسانیات فردی نند دی سوسئر (Ferdinand de Saussure) کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے یہ لفظ فرانسیسی زبان میں ۱۸۹۴ء اور ۱۹۰۱ء میں ذاتی خط و کتابت میں اور پھر اپنی کتاب ''Cours de linguistique generale'' میں استعمال کیا۔ یہ کتاب سوسیور کے محاضرات ہیں جو اس نے جنیوا میں دیے تھے اور پھر اس کی وفات کے بعد اس کے تلامذہ نے مرتب کر کے ۱۹۱۶ء میں شائع کرایا۔

اس کتاب میں سوسیور علم علامت کی یہ تعریف کرتا ہے کہ علامتیت ایسا علم ہے جو انسانی معاشرہ میں نشانات کی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے:

"a science that studies the life of signs within society."

اصطلاح ''Semiotics'' اور ''Semiology'' ایک ہی معنی رکھتی ہیں۔ اول الذکر یورپ میں جبکہ ثانی الذکر امریکہ میں مستعمل ہے۔ مگر سوسیور نے ''Semiology'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔(۳)

سوسیور علم علامت (Semiology) کو نشانیات کا علم (System of Signs) کہتا ہے۔ اس سے اس کی نشانیات کا نظام (System of Signs) مراد ہے۔ نشان (Signs) ایک بامعنی اکائی کو کہا جاتا ہے جو اپنے علاوہ کسی دوسری چیز کی تعبیر کے لیے سرگرم عمل ہوتا ہے۔ نشان اپنی طبعی صورت میں الفاظ (Words)، تصورات (Images)، اصوات (Sounds)، افعال (Acts) اور ذائقہ (Taste) وغیرہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام طریقے جن کے ذریعے کسی بھی متکلم یا انسان کا کسی قسم کی معلومات پہنچانا مقصود ہو۔ اور نشان کی یہ تعریف کی گئی ہے:

"Sign: A sign is a meaningful unit which is interpreted as

'standing for' something other than itself. Signs are found in the physical form of words, images, sounds, acts or objects (this physical form is sometimes known as the sign vehicle). Signs have no intrinsic meaning and become signs only when sign-users invest them with meaning with reference to a recognized code. Semiotics is the study of signs."(4)

سوسیور اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ ایک ایسا علم پروان چڑھایا جائے جو سماجی زندگی کے ایک حصہ کے طور پر نشانات کے کردار کے مطالعہ کو زیر بحث لائے۔ اور یہ علم سماجی نفسیات یا عمومی نفسیات کا حصہ بنے۔ اس کو علم علامت (Semiology) کے نام سے موسوم کیا جائے۔ اس میں نشانات کی حقیقت اور ان قوانین کی جستجو کی جائے گی جن کے تحت نشانات عمل پیرا ہیں۔ یہ علم اگرچہ ابھی تک وجود نہیں رکھتا مگر ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ یہ علم مستقبل میں بھی سامنے نہیں آئے گا، جب کہ اس علم کے پروان چڑھنے کے لیے حالات سازگار ہیں اور لسانیات (Lingustics) اس عمومی سائنس کی شاخ ہوگی۔(۵)

مگر اکیسویں صدی میں یہ کہا جا رہا ہے کہ علم علامت کی نسبت علم لسانیات (Languistics) ایک بہتر علمی ضابطے کے طور پر سامنے آیا ہے۔ ٹوبن (Tobin) لکھتے ہیں:

"Linguistics (as opposed to semiotics) has often been considered to be the better-defined discipline and has even been viewed as the most developed branch within this structuralist paradigm."(6)

ساختیاتی منہج کے اصول

سوسیور کہتا ہے کہ زبان نشانات کے نظام (System of Signs) کا نام ہے۔ سوسیور کے نزدیک نشان (یعنی لفظ یا آواز، فعل وغیرہ) اور حقیقی دنیا (انسانی ذہن سے باہر کی دنیا) کے درمیان باہمی ربط فطری نہیں، بلکہ من مانا، خود مختارانہ اور غیر منطقی (Arbitrary) ہے یعنی لفظ (Signifier) اور وہ معنی جو لفظ پر دلالت (Signified) کر رہے ہیں ان کا باہمی ربط فطری اور قائم بالذات نہیں ہے بلکہ اصطلاحی ہے۔ اس نظام نشانات کی وجہ سے ہر شے باہمی رشتوں میں گندھی ہوتی ہے اور یہ رشتے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ سوسیور کی روایت میں یہ تعلق دوطرفہ (Dyadic Relationship) کا ہے یعنی کسی کا نام اور کسی کا مدعا کا تعلق۔ جب کہ چارلس سینڈرس پیرس (Charles Sanders Peirce) کی روایت میں یہ تعلق دوطرفہ نہیں بلکہ سہ طرفہ (Triadic Relationship) کا ہے یعنی ریپریزنٹیمن (Representamen)، آبجکٹ (Object)، انٹرپریٹنٹ (Interpretant)۔ علم علامت (Semiology) کا کام ان رشتوں کی پہچان ہے، کیوں کہ ان رشتوں ہی سے

معانی پیدا ہوتے ہیں اور اشیا کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔ اسی طرح ثقافت کے ہر ہر مظہر میں تجریدی رشتوں کا ایک نظام ہوتا ہے جس کی وجہ سے معنی خیزی ممکن ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ زبان فطری نہیں ہوتی بلکہ ثقافت کا مظہر ہوتی ہے۔ سوسیور کے نزدیک ان رشتوں میں سے دو رشتے اہم ہیں:

الف۔ باہمی ربط کا رشتہ۔ ب۔ تضاد کا رشتہ۔

مثلاً ٹریفک سگنل میں تین رنگ ہوتے ہیں سرخ، پیلا اور سبز۔ سرخ نشان "ٹریفک کے ٹھہرنے" پر دلالت کرتا ہے، پیلا "جانے کے لیے تیار ہونے" اور سبز لائٹ سے "چلے جانے" کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ اس مثال میں یہ بات قابل غور ہے سرخ رنگ کا رکنے سے کوئی فطری تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح پیلا رنگ کا "تیار رہنے" سے اور سبز کا "چلے جانے" سے کوئی فطری ربط نہیں۔ گویا کہ یہ تینوں رنگ کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں مگر ان میں معنی اس رشتہ سے پیدا ہوئے جو یہ رنگ ٹریفک سگنل آپس میں رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ رشتہ باہمی ربط بھی رکھتا ہے اور تضاد بھی۔ کیوں کہ یہ تینوں ایک رشتہ میں گندھے ہوئے ہیں، اس لیے ان میں باہمی ربط ہے۔ لیکن ان میں تضاد بھی ہے کہ سرخ رنگ جس کے معنی "رکیے" کے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ سرخ رنگ سبز رنگ نہیں ہے، ان دونوں کی پہچان فرق پر ہے۔ اسی طرح سبز رنگ کا معنی "جائیے" اس لیے ہیں کہ سبز رنگ سرخ رنگ نہیں ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ معنویت یا معنی ساخت سے پیدا ہوتے ہیں جس ساخت میں وہ واقع ہیں۔

اسی طرح الفاظ کا معاملہ ہے کہ لفظ "گائے" کے معنی لسانی ہیئت (Linguistic Form) اور غیر لسانی دنیا (Non-Linguistic world) کے باہمی تعلق میں نہیں بلکہ نظام نشانات (Sign System) میں رہتے ہوئے بھیڑ، گھوڑا اور بکری وغیرہ کے باہمی رشتوں میں اس کے معنی تلاش کیے جا سکتے ہیں، کہ گائے اس لیے گائے ہے کیوں کہ وہ گھوڑا نہیں ہے اور ان دونوں کے درمیان ربط بھی ہے۔

زبان نظام نشانات (Sign System) کی رو سے کام کرتی ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے سامنے بولی جانے والی زبان کا جن رشتوں کے ادراک کی وجہ سے فہم حاصل کرتا ہے ان میں سے ایک ارتباط و تضاد کا رشتہ ہے۔ چناں چہ جب وہ زبان کی پہچان حاصل کرتا ہے تو گویا کہ اب وہ فطرت کو خدا حافظ کہہ کر ثقافت کا جامہ اوڑھ لیتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے زبان ثقافتی ضوابط (Cultural Codes) کا نام ہے۔

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ لفظ کسی چیز کا متبادل ہوتا ہے اور اس کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اب یہ کہا جا رہا ہے کہ لفظ اور شے کا رشتہ سادہ اور حقیقی نہیں ہوتا بلکہ ان کے درمیان ایک ثقافتی نظام حائل ہوتا ہے۔ زبان جو نشانات (Signs) پر مبنی ہوتی ہے اس میں دنیا نہیں، بلکہ اس زبان سے دنیا کے متعلق لسانی ادراک ظاہر ہوتا ہے۔

ساختیاتی منہج کی چند نمایاں اصطلاحات

ساختیات جس مطالعاتی منہج کا دعوے دار ہے وہ کلیت پسندانہ ہے۔ یہ اس سسٹم کی جستجو کرتی ہے جس کی وجہ سے اور جس کے تحت کوئی مظہر معنی کا حامل ہوتا ہے، لہٰذا اصل اہمیت مظہر کے معنی کو نہیں بلکہ اس کو پیدا کرنے والے نظام (Signifying

(System) کو بے معنی تو پروڈکٹ ہے۔اس زاویہ سے فرد بھی ایک پروڈکٹ (Product) اور سماجی کنونشن (Social Convention) کی حیثیت رکھتا ہے۔معاشرہ کا معیاراتی نظام افراد اور متون کے ذریعے اپنا اظہار کرتا ہے۔اس طرح کوئی بھی تصنیف اس نظام کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔

رسومیات (Conventions)

سوسیور نے زبان کو سماجی مظہر قرار دیتا ہے جس کے قوانین علت و معلول کے بجائے سماجی رسمیات کے پابند ہوتے ہیں۔ اس طرح تمام نشانات رسومیات (Conventions) ہوتے ہیں۔اشیا کی نمائندگی کے لیے جو لفظ برتے جاتے ہیں،ان کا اشیا کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔سماجی رسمیات یہ لفظ وضع کرتی ہے۔الفاظ کی شکلیں ،املائی ،معنوی سب صورتیں سماجی چلن اور رواج سے طے پاتی ہیں۔

ضابطہ (Code)

ضابطے سے مراد وہ اصول ہیں جن کو ایک زبان بولنے اور سننے والے یا ایک متن کے لکھنے اور پڑھنے والے باہمی اتفاق رائے سے طے کر لیتے ہیں۔اور ان اصولوں کی وجہ سے کسی بات یا متن کی تفہیم و تعبیر اور ترسیل ممکن ہوتی ہے۔ساختیات میں کوڈ کی اصطلاح اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہر ثقافتی مظہر کوڈز سے مرتب ہوتا ہے۔کسی بھی متن کے معانی متعلقہ ثقافتی پس منظر سے باہر نہیں بلکہ کوڈز کے نظام کے رہین منت ہوتے ہیں۔

کوڈ اور کنونشن میں یہ فرق ہے کہ کنونشن کا مفہوم کوڈ کی نسبت زیادہ وسعت رکھتا ہے۔جن نشانات کو طویل سماجی عمل نے قبول کیا ہو کنونشن کہلاتا ہے۔کوڈ ایسی کلید کو کہا جاتا ہے جس سے کسی متن کے علامتی نظام کو کھولا جاتا ہے۔اس طرح ہر لسانی اظہار ضابطہ بند (Encoded) ہوتا ہے جسے ڈی کوڈ (Decode) کیا جاتا ہے۔کنونشن اجتماعی نوعیت رکھتا ہے جب کہ کوڈ انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔

دال/مدلول (Signifier / Signified)

سوسیور کے نظام فکر میں ''Signifier'' سے مراد ''دال'' یعنی ''لفظ'' ہے اور ''Signified'' سے مراد ''مدلول'' یعنی ''معنی'' ہے۔

لسان/کلام (Langue / Parole)

سوسیور نے زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔زبان کے قواعد و ضوابط کے نظام کو لسان یا لانگ (Langue) کہتے ہیں۔جبکہ جو زبان بولی جاتی ہے وہ پارول کہلاتی ہے۔کسی بھی زبان کا فہم لانگ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

نشان (Sign)

نشان زبان کی وہ بنیادی اکائی ہے جو کسی معنی کی حامل ہو یعنی کوئی بھی بامعنی لکھا ہوا یا بولا ہوا لفظ نشان کہلاتا ہے۔

ساختیوں کے تین قابل ذکر اوصاف جو بیان کیے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

- ☆ سٹرکچر ایک کل ہے، جس سے یہ مراد ہے کہ اس کے اجزا اسے ترکیبی اس انداز میں باہم اور یکجا ہوتے ہیں کہ ''کل'' اجزاء کی حاصل جمع تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ "The idea of wholeness"
- ☆ سٹرکچر غیر متغیر حالت میں نہیں رہتا، بلکہ وہ ہمہ وقت نئے مواد کو منقلب کرتا رہتا ہے، ''کل'' کا یہ عمل سٹرکچرنگ کہلاتا ہے۔ "The idea of transformation"
- ☆ ساختیت ایک خود مختار اور خود کفیل ''شے'' ہے جس کی اپنی دنیا، اپنے اصول اور قوانین ہیں۔ وہ باہر کے ہر نظام یا سسٹم سے خود کو الگ تھلگ رکھنے پر قادر ہے۔(۷) "The idea of self-regulation"

ساختیت کے اثرات اور انسانی فکر میں انقلابی تبدیلیاں منہج ساختیت نے زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ انسانی تاریخ میں جو باتیں مسلمات کا درجہ حاصل کر چکی تھیں، ان کو رد کر دیا گیا۔ اس طرح انسانی فکر میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔

- ☆ پہلے ''اشیاء'' نگاہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں مگر اب اشیا کا ''باہمی ربط'' اساسی اہمیت کا حامل قرار پایا ہے۔
- ☆ جدید طبیعات میں ابتداً مادہ کو ٹھوس (Solid) شے کہا گیا اور اسی حوالہ سے کہا گیا کہ ہر شے اپنا ٹھوس وجود رکھتی ہے۔ مگر موجودہ طبیعات کے مطابق مادہ ٹھوس ہونے کی بجائے ساخت (Structure) پر مبنی ہوتا ہے۔ اور ساخت پر مبنی ہونے سے یہ مراد ہے کہ ہر شے کو اس رشتہ کے حوالے سے ہی جانا جا سکتا ہے جو اس نے دیگر اشیا کے ساتھ قائم کر رکھا ہے۔ اس ساخت سے ساختیت (Structuralism) کا یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ یہ وہ طریقہ تحقیق ہے جس میں زبان، مذہب وغیرہ کی ساختوں یعنی ان میں مضمر رشتوں کو اس کے ثقافتی پس منظر میں تلاش کیا جاتا ہے۔

جس طرح پہلے چیزوں کو سلسلہ علت و معلول کے رشتہ کے ذریعے سمجھا جاتا تھا۔ آج کی طبیعات کہتی ہے کہ ساخت ٹھوس شے نہیں بلکہ رشتوں پر مبنی ہے اور کوئی بھی ''شے'' رشتوں کی اکائی کا نام ہے۔ ہر شے نے کسی نہ کسی شے سے رشتہ قائم رکھا ہوتا ہے، اس لیے اب اس شے کو اس رشتہ ہی کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ گویا شے سے سٹرکچر کی طرف ایک اہم قدم تھا۔ یہ اتنی ہی بڑی بات ہے جتنی اہم کوپرنیکس کی یہ بات تھی کہ زمین کی بجائے سورج اس نظام شمسی کا ''مرکز'' ہے۔

- ☆ اس منہج کے تحت یہ کہا گیا کہ انسان سماجی حیوان (Social Animal) نہیں بلکہ انسان ثقافتی حیوان (Cultural Animal) ہے۔

ان الانسان حیوان ثقافي.(۸)

ابوزید کا کہنا ہے کہ یہاں لفظ ''ثقافت'' لفظ ''جہل'' کے مقابل نہیں بلکہ یہ لفظ ''فطرت'' کے متضاد کے طور پر ہے:

وهذا الاستخدام العامی الذی یضع 'الثقافة' ای المتعلم. فی مقابل 'الجهل' استخدام غیر صائب من الوجهة العلمية والمنهجية، فالثقافي. علمياً ومنهجياً. يقابل 'الطبيعي'.(۹)

اسی طرح ساختیاتی فکر سے پہلے انسان کو عقلی جانور (Rational Animal) کہا جاتا رہا ہے، مگر اب ساختیاتی فکر کے تحت انسان کی تعریف "The Symbolic Animal" کے ساتھ کی گئی ہے۔(۱۰)

☆ جدید منہج ساختیت کے مطابق ہر لفظ کے معنی اس عہد کے پیراڈائیم (Paradigm) سے اخذ کیے جائیں گے۔(۱۱)

☆ زبان فارم (Form) یا ہیئت کا نام ہے، جوہر یا مادہ کا نام نہیں ہے۔

"Structuralism draws on Ferdinand Saussure's thesis that langue is a 'form rather than a substance,' which extands to semiotics."(12)

☆ زبان اشیا کو چوں کہ اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے اس لیے زبان کے شفاف ہونے کا تصور فریب حواس اور واہمہ قرار پاتا ہے۔ اس طرح جو بات فطری دکھائی دیتی ہے ضروری نہیں کہ وہ اصلاً ایسی ہی ہو یعنی اصلاً کوئی بات فی نفسہ واضح یا فطری نہیں ہے، بلکہ مخصوص حالات میں مخصوص طور طریقوں سے وہ ایسی بن گئی ہے کہ واضح یا فطری معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح "حقیقت" کا ادراک صرف اسی حد کیا جا سکتا جس حد تک زبان "حقیقت" کو خلق کر سکتی ہے۔

زبان کے بارے میں یہ غلط فہمی کہ زبان حقیقت کو ظاہر کرتی ہے یا حقیقت کا عکس پیش کرتی ہے، اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ زبان کی ماہیت ہی ایسی ہے کہ شے کا تصور پیدا کرنے کے بعد یہ درمیان سے غائب ہو جاتی ہے۔ یا معدوم ہو جاتی ہے چنانچہ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ جس رابطے سے شے کو پہچانا گیا تھا وہ شے خود نہیں تھی بلکہ اس کا وہ تصور تھا جو زبان کے نظام کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

کوئی بھی متن خلا میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ مصنف پہلے سے موجود روایت کے سرچشموں سے فیضان حاصل کرتا ہے اور ثقافت اور زبان کی لغت سے استفادہ کرتا ہے جو ہمیشہ پہلے سے لکھی ہوئی موجود ہے۔

☆ ہیومن ازم (Humanism) کا تصور اس بات پر مبنی تھا کہ انسان کی ذات، اور اس کا ذہن و شعور عمل، معنی اور تاریخ کا منبع و ماخذ ہے مگر سٹرکچل ازم کے نقطۂ نظر سے فرد نہیں بلکہ معاشرہ یا ثقافت منبع و ماخذ ہے۔

ساختیت اور فہم قرآن کا تاریخی پس منظر

ساختیاتی منہج کے تحت قرآن کریم کا جن مسلم سکالرز نے مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے ان میں محمد ارکون (Arkuon)، ازتسو (Izutsu Toshihiko) اور حامد نصر ابوزید وغیرہ شامل ہیں۔ ان مفکرین کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ مفکرین صرف ساختیاتی فکر یا منہج سے متاثر نہیں ہیں بلکہ ان پر دیگر مغربی مفکرین کے بھی گہرے اثرات ہیں۔ جن میں ہرمنیاتی فکر، روسی مفکر لاٹ مین (M. Lotman)، گدامر (Hans-Georg Gadamer)، ہمبلٹ (Wilhelm von Humboldt)، سپائر (Edward Sapir) اور جرمن فلسفی ڈلتھی (Wilhelm Dilthey) وغیرہ شامل ہیں۔

ساختیاتی فکر اور ان مفکرین کے افکار میں دو باتیں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں:

الف۔ تصور کائنات کی اہمیت (Weltanschauung /World View)

ب۔ ثقافتی پہلو۔

ساختیت نے سائنسی اور سماجی علوم پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اسی منہج کے تحت دینی کتب اور مذہبیات کی مباحث کا مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔

زبان کا تعلق علم علامت (Semiotics) سے ہوتا ہے اس لیے الفاظ کو مختلف نشانوں میں سے ایک نشان (Sign) کہا جا سکتا ہے۔ نشان صرف کلام کے اندر رہ کر ہی اشارے کا کام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے عربوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے قرآن کریم کی شکل میں جب پیغام بھیجا تو ذات باری تعالیٰ نے یہ پیغام وصول کنندہ (Recipient) کے ساختیاتی اصطلاح یعنی "کوڈز" (Codes) میں بھیجا۔ اور اگر آج ہم قرآن کریم کا فہم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ آج کے کوڈز (Codes) میں سمجھا جانا چاہیے۔

محمد ارکون

محمد ارکون (۲۰۱۰ء۔ ۱۹۲۸ء) ان کا تعلق الجزائر سے ہے۔ آخری وقت تک فرانس کی سوربون (Sorbonne) یونی ورسٹی سے بطور ایمریطس پروفیسر علوم اسلامیہ وابستہ رہے۔

محمد ارکون متون (Texts) کا مطالعہ نئی علمیات (Epistemology) کے ذریعے متعارف کروائے گئے علوم یعنی جدید لسانیات (Linguistics) اور علم علامت (Semiotics) کی روشنی میں کرنے کے حامی ہیں۔ چناں چہ اپنی فرانسیسی کتاب (Lectures du Coran) میں علم علامت اور منہج ساختیت کی روشنی میں قرآن کریم کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ محمد ارکون اس کتاب کے تیسرے اور چوتھے باب میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ کہف کا منہج ساختیت اور علم علامت (Semiotics) کے تحت مباحث سامنے لائے ہیں۔

> "I raised the crucial issue of reading texts according to the new epistemology introduced by modern linguistics and semiotics."(13)

محمد ارکون کے مطابق قرآن کریم کے معانی جملوں اور افعال میں نہیں بلکہ قرآن میں موجود رشتوں کے نظام میں پائے جاتے ہیں۔

"Structure and form of the Quran-form and meaning."(14)

یہ بات قاری کو قابل بنا دے گی کہ وہ قرآن کریم کو ایک کل کے طور پر لے۔ اس کے نتیجے میں مطالعہ قرآن کی نئی جہتیں سامنے آ سکیں گی۔

ازتسو توشی ہیکو (Izutsu Toshihiko) کی فکر کا تعارف

ازتسو توشی ہیکو (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۳ء) کا تعلق جاپان سے ہے۔ پروفیسر ازتسو میک گل یونی ورسٹی کینیڈا سے وابستہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کی مختلف جامعات میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ فلسفہ، علوم اسلامیہ ان کا تخصص ہے۔ انہوں نے جاپانی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے۔

ازتسو کی فکر میں دو باتیں اہم ہیں جن کی تفہیم کے بغیر ازتسو کی فکر سے آگاہی مشکل ہے:

الف۔ تصور کائنات (Weltanschauung)

ب۔ نسبتی معانی (Basic and Relational Meaning)

الف۔ تصور کائنات (Weltanschauung)

جرمن لفظ "Weltanschauung" کا انگریزی ترجمہ "World-View" ہے۔ یہ ایک اصطلاح ہے اس کا تصور ہمیں سب سے پہلے کانٹ اور ہیگل کے ہاں ملتا ہے۔ یہ لفظ ابتداً مذہبی اور ثقافتی تصور کائنات کے تناظر میں مستعمل تھا مگر بعد میں یہ لسانیاتی پس منظر میں مستعمل ہونا شروع ہوا۔

جدید ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ لسانیات اور معنویات میں ایک مضبوط تعلق پایا جاتا ہے کہ دنیا کی ہر زبان اپنا ایک خاص تصور کائنات (World-View) رکھتی ہے۔ دنیا کی کسی زبان کا بولنے والا فرد جب اپنی زبان کے تصور کائنات کے ذریعے دنیا کو دیکھتا ہے تو اس کا تصور کائنات دوسری زبان کے بولنے والے فرد سے مختلف ہوتا ہے۔ اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز جو موجود ہے وہ ایسی حقیقت ہے جو محض زبان یا لفظ میں سمائی ہوئی ہوتی ہے یعنی ہر حقیقت ایک لسانی اظہار ہے اور ہر لسانی اظہار دوسری زبان کے لسانی اظہار سے مختلف ہوتا ہے، کیوں کہ زبانوں کی اندرونی ساخت (Innere Sprachform) میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس نظریہ کا نام "Linguistic Relativity Hypothesis" ہے، اور اس نظریہ کا انتساب "Wilhelm von Humboldt" کی طرف ہے۔ اس کو مختلف ماہرین لسانیات نے آگے بڑھایا ہے جن میں "Etienne Bonnot de Condillac" اور "Johann George Hamann" اور "Edward Sapir" وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح ساختیاتی فکر کے ساتھ ساتھ جرمن فلسفی ڈلتھی (Wilhelm Dilthey) کے افکار کا اثر بھی ازتسو پر واضح نظر آتا ہے۔

ازتسو لکھتے ہیں:

> "an analytic study of the key-terms of a language with a view to arriving eventually at a conceptual grasp of the weltanschauung or world-view of the people who use that language as a tool not only of speaking and thinking, but, more important still, of conceptualizing and interpreting the world that surrounds them."(15)

ہمبولٹ کا کہنا ہے کہ زبان پہلے سے انسان کو علوم حقیقت کو دریافت نہیں کرتی بلکہ اس کو دریافت کرنے کے بعد ساخت میں ڈھالتی ہے۔ ہر زبان اپنے بولنے والے کے گرد ایسا دائرہ کھینچتی ہے کہ اس کے بولنے والے اسی دائرہ کے ذریعے دنیا کو دیکھتے ہیں۔ اس طرح سا پر (Edward Sapir) کے بقول دنیا کی کوئی بھی دو زبانیں ایک جیسی سماجی حقیقت کے اظہار میں باہم مماثل نہیں ہو سکتیں ہیں۔

حقیقت تک رسائی چوں کہ زبان ہی ذریعے ممکن ہے لہٰذا بعض اوقات زبان حقیقت تک رسائی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت تک براہ راست رسائی ممکن نہیں، اس کے لیے ہم حواس کے محتاج ہیں، حواس ہمیں جو بھی مواد فراہم کریں گے اس پر حقیقت استوار ہوگی، جب کہ یہ بات مسلمہ ہے کہ حواس سے حاصل ہونے والا علم نا تمام ہوتا ہے اور وہ ہمیں نا مکمل معلومات فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے حقیقت کی سچی تصویر ادھوری رہ جاتی ہے۔ ازتسو کے ہاں بھی یہی بات کچھ اس طرح ملتی ہے کہ ”تصورات اور الفاظ جو ان تصورات کے اظہار کے لیے وضع کیے گئے ہیں مل کر ایک پیچیدہ نظام تشکیل دیتے ہیں۔ یہ نظام متعدد مظاہر میں نظر آتا ہے۔ یہ نظام انسانی ذہن اور مادی اشیا کے درمیان ایک پردہ بن جاتا ہے جو حقیقی وجود کی جگہ تصورات کے ذریعے تشکیل دیے ہوئے وجود کو منعکس کرتا ہے۔ پردے کے اس مخصوص عمل کی وجہ سے انسانی ذہن تک جو حقائق پہنچتے ہیں، ان کی شکل ترمیم شدہ حتیٰ کہ بعض اوقات بگڑی ہوئی ہوتی ہے: ہم حقائق کو اس پردے کے ذریعے دیکھنے کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ یہ پردہ ہمیں بالکل شفاف اور قدرتی دکھائی دینے لگتا ہے اور پھر بتدریج اس کے وجود کا احساس بھی نہیں رہتا۔“(۱۶)

وہ لکھتے ہیں:

> "The words and concepts behave, not like a mere duplicate, but like intermediary screen between human mind and pre-conceptual reality which might be distorted by the particular articulation of the screen. Usually we are so accustomed to this middle screen, and it is something so natural, so transparent, that we are not even aware of its existence. We naively believe that we are experiencing directly and without any intermediary the objective world as it naturally is."(17)

پھر یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا کوئی تصورِ کائنات درست بھی ہو سکتا ہے؟ اور کیا کوئی زبان ایسی ہو سکتی ہے جو حقیقت کے قریب تر ہو سکے؟ پھر وہ کون سا طریقہ ہو سکتا ہے جس کے ذریعے حقیقت کا بہتر ادراک ہو سکے؟ اس سوال کے بارے میں ازتسو لکھتے ہیں کہ جس زبان کے پاس بھرپور ذخیرہ الفاظ موجود ہے،

اور اس کے پاس اظہار حقیقت کی فراوانی ہے تو ایسی زبان کے تصور کائنات میں وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے اور وہ زبان ازتسو کے بقول عربی زبان ہے جو اس خصوصیت کی حامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہنری برگساں لکھتا ہے کہ اپنے متبادر تجربے میں ہم حقیقت کو ایک ایسے کل کی طرح دیکھتے ہیں جس کے اجزا کو ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ قدیم فلسفی اس کل کو 'ہیولا' (اولین مواد) کہتے تھے۔ ماضی قریب میں فرانس کے وجودی فلسفی اسے غیر منظم بے شکل مادہ قرار دیتے تھے جس میں شامل مختلف چیزوں اور اجزا میں سے کسی کے خدوخال نمایاں نہیں ہوتے۔ پوری کائنات ایک بے کار، عریاں اور الجھے مواد کی طرح گندھے ہوئے آٹے کی شکل میں نظر آتی ہے، جس کی بے شکلی سے گھن آتی ہے۔ یہ انسانی ذہن ہے جس نے اسے غیر ممیز کل میں بہت ساری شکلیں تخلیق کی ہیں، جو الگ الگ اور منفرد ہیں۔ ان شکلوں کی تعداد اور صورتیں ہر قوم میں اور اس کی تاریخ میں مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی ہے۔ عربی جیسی زبان کا وسیع ذخیرہ الفاظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے بولنے والوں نے حقیقت کے مجموعی کل سے کتنی زیادہ شکلیں اور اکائیاں الگ کر لی ہیں۔ اس کے برعکس کسی زبان کا کم ذخیرہ الفاظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے بولنے والوں کے نزدیک حقیقت کا بیشتر حصہ ناقابل تمیز ہے۔"(۱۸)

ب۔ بنیادی اور نسبتی معانی (Basic and Relational Meaning)

ازتسو بنیادی اور نسبتی معنی کے درمیان فرق کرتا ہے۔ بنیادی معنی سے وہ معنی مراد ہیں جو لغات میں محفوظ ہوتے ہیں، سیاق وسباق خواہ کوئی بھی ہو، اس کے معنی بدلتے نہیں ہیں۔ جب کہ "Relational Meaning" کسی حد تک ضمنی معنی ومفہوم کا حامل ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ "کتاب" کے بنیادی معنی جلد شدہ یا مدون صورت میں شائع شدہ صفحات جن کو پڑھا جا سکے، اس طرح یہ معنی بنیادی ہیں۔ مگر قرآن کریم میں یہ لفظ استعمال تو ہوا ہے مگر وہاں بنیادی معنی کے ساتھ ساتھ وحی، تنزیل، اللہ اور تقدس کے تصور کے معانی بھی ضمناً اس سے متعلق ہیں۔ اسی طرح لفظ کتاب کے یہ نسبتی معنی (Relational Meaning) مظہر ہے۔ اسی طرح نسبتی معنی میں ثقافتی روح کے ساتھ ان لوگوں کی نفسیات کا ٹھوس اظہار پایا جاتا ہے جنہوں نے اس کو اپنے ذخیرہ الفاظ کا حصہ بنایا ہوا ہے:

"For, all that, we call the 'relational' meaning of a word is nothing other than a concrete manifestation, or crystallization, of the spririt the culture, and a most faithful reflection of the general tendency, psychology and otherwise, of the people who use the word as part of their vocabulary."(19)

پروفیسر ازتسو کی فکر کا عمومی جائزہ

ازتسو معنویاتی-ساختیاتی تجزیہ (Semantics Structural Analysis) کو بنیاد بنا کر قرآن کریم میں انسان اور خدا کے درمیان باہمی تعلق تلاش کرتے ہیں۔ ازتسو کا قرآن کریم پر معنویاتی-ساختیاتی تجزیہ کے اطلاق کرنے کا مقصد قرآن کی تفسیر بیان کرنا نہیں بلکہ ایسا طریقہ کار وضع کرنا ہے جس کی روشنی میں الفاظ قرآنی کا تصور کائنات (World-View) جانا جا سکے۔ یعنی ایسا طریقہ کار سامنے آ سکے جس کی روشنی میں الفاظ قرآن کا با اصول اور منظم تصور کائنات کا فہم حاصل کیا جا سکے۔ قرآن کریم کا یہ تصور کائنات اس وقت کی عربی زبان میں نہیں بلکہ خود قرآن کریم میں غور و فکر سے جانا جا سکتا ہے۔

ازتسو معنویات (Semantics) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Semantics, thus understood, is a kind of weltanschauungslehre [theory of world-views], a study of the nature and structure of the world-view of a nation at this or that significant period of its history, conducted by means of a methodological analysis of the major cultural concepts the nation has produced for itself and crystallized into the key-words of its language."(20)

زبان و ثقافت کے درمیان باہمی تعلق جاننے کے لیے ساختیاتی معنویات ایک اہم طریقہ ہے۔ اس طریقہ کار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سائنسز اور سوشل سائنسز جیسے متنوع قسم کے علوم کے ماہرین اس پر غور کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے اس علم میں اگرچہ بے شمار تحقیقات سامنے آ چکی ہیں مگر بے شمار نظریات اور تحقیقی کاوشوں کے باوجود ابھی تک معنویات کی سائنس کو واضح طور پر منضبط تو نہیں کیا جا سکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"We have as yet no neatly organized uniform science of semantics, all we have in our hands is a number of different theories of meaning."(21)

پروفیسر ازتسو لکھتے ہیں کہ "زبان اور حقیقت کے مابین دراصل ایک قسم کا تخلیقی عمل واقع ہوتا ہے۔ جو مادی وجود کو ایک خاص زاویے سے بیان کرتا ہے۔ یہی عمل علم معانی کا موضوع اور میدان ہے۔ آج کی زبان میں یوں کہیے کہ ہر لفظ ایک غیر لسانی حقیقت کی مخصوص زاویے سے لسانی درجہ بندی کا نام ہے۔ یہ درجہ بندی ایک ذہنی عمل کی پیداوار ہے جو مختلف غیر لسانی اشیا کو ایک خانے میں جمع کرتا ہے۔ اس عمل کی بنیاد

مخصوص زاویہ نگاہ کا اصول ہے، جس سے انسان حقیقت پر نظر ڈالتا ہے۔ یہ زاویہ نگاہ ثقافتی اور تاریخی عوامل سے تشکیل پاتا ہے۔"(۲۲)

اسی طرح لکھتے ہیں کہ "اس طرح کسی بھی زبان کا ذخیرہ الفاظ یا نظام دلالت ایک مخصوص تصور کائنات سے مجسم ہوتا ہے اور اسی کی نمائندگی کرتا ہے۔"(۲۳)

پروفیسر ازتسو کا کہنا ہے کہ "ہر زبان کا ایک عمومی دلالتی نظام ہوتا ہے جو مخصوص درجہ بندیوں سے مل کر بنتا ہے۔"(۲۴)

پھر لکھتے ہیں کہ "کسی لفظ کی معنویاتی شکل کی اس کے سیاق کے حوالے سے وضاحت کی جائے۔ یعنی کسی لفظ کے معانی کو اس صورت حال اور واقعہ کے لیے بیان کیا جائے جہاں وہ استعمال ہوا ہے۔"(۲۵)

پروفیسر ازتسو کے بقول معنویاتی تجزیہ کے طریق کار کے لیے سات قسم کے عناصر زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

الف۔ سیاقی تعریف　　ب۔ مترادف　　ج۔ تضاد　　د۔ سلبی مفہوم

ھ۔ معنویاتی دائرہ　　و۔ ابدال　　ز۔ غیر اصطلاحی استعمال(۲۶)

نصر حامد ابوزید

پروفیسر نصر حامد ابوزید (۱۹۴۳ء۔ ۲۰۱۰ء) کا تعلق مصر سے ہے۔ نصر حامد ابوزید نیدرلینڈز (Netherlands) کی لیڈن یونی ورسٹی (University of Leiden) سے وابستہ رہے۔ اسی طرح وہ جرمنی کے ادارے سے بھی وابستہ رہے جس کا نام Institute of Advanced Studies of Berlin (Wissenschaftskolleg zu Berlin) ہے۔ ان کا تعلق علوم اسلامیہ سے تھا۔ ۲۰۰۵ء میں ان کو جرمنی میں آزادئ فکر کے "ابن رشد ایوارڈ" سے بھی نوازا گیا۔ قرآن کریم کا ساختیاتی منہج کی روشنی میں مطالعہ کیا۔ فکری طور پر نصر حامد بھی ازتسو (Izutsu) سے متاثر ہیں۔

نصر حامد کی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی تعریف کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس میں تین باتیں شامل ہیں:

الف۔ کلام اللہ　　ب۔ قرآن کریم　　ج۔ وحی

کلام اللہ (Word of God) صرف قرآن کریم تک محدود نہیں ہے۔ قرآن کریم کلام اللہ کا صرف ایک جز ہے، ورنہ کلمات اللہ کو خود قرآن کریم کے بقول انسانی احاطہ میں لانا ہی مشکل ہے:

وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (۲۷)

قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. (۲۸)

درج بالا آیات کریمہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے بے شمار کلمات اللہ میں سے ایک ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا:

> The Qur'an is then one manifestation of the Word of God inspired to Prophet Muhammad through the mediation of the archangel Gabriel.(29)

عہد نبوی میں انسان اور خدا کے درمیان براہ راست تعلق قائم تھا۔ مسلمانوں کو جو مسئلہ پیش آتا تھا اللہ تعالیٰ رہنمائی فرما دیتے تھے۔ قرآن کریم کا بجا بجا نازل ہونا اس پر شاہد ہے۔ چناں چہ عہد نبوی میں انسان اور خدا کا باہمی تعلق اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "یسئلونک" چودہ مرتبہ آیا ہے۔ اسی طرح دیگر مواقع پر بھی قرآن کریم انسانوں کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے ساتھ انسان اور خدا کے براہ راست تعلق کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ بعد میں عہد عثمانی میں قرآن کریم کو ترتیب نزولی کی بجائے ترتیب توقیفی یا ترتیب تلاوت کے مطابق کتابی صورت میں مدون کر کے قانونی شکل دے دی گئی۔ اس طرح قرآن کریم میں اس کی آیات کے نزول کا تاریخی سیاق ختم ہو کر رہ گیا۔ اسی کو محمد ارکون "Closed Official Corpus" کا نام دیتا ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی وہ صورت مقدس تھی جو عربی کے سانچے میں ڈھلنے سے پہلے تھی۔ قرآن کریم جب عربی سانچے میں ڈھل گیا تو نہ مقدس رہا اور نہ ہی الٰہی (Divine) رہا۔

> "Another aspect of the human impact on God's word can be seen through the process of canonisation, which was not limited to the application of the diacritcal points and the vowel sign to the originally unreadable 'Uthm anic text. Canonisation of the Qur'an included also the rearrangement of the Qur'anic verses and chapters in their present order, which is not the same of chronological order. The present order is called tartîb altilâwa (order of recitation), while the chronological order is called tartîb al-nuzûl. It is important here to refer to the impact of such rearrangement in partially demolishing the historical and occasional context of every portion of revelation, thus elevating the semantic structure of it above the original reality from which it emerged.

Nevertheless, the original content of the Word of God in its unknown absoluteness, I mean before it became expressed in Arabic, is divine and sacred while its manifested expression is neither sacred nor divine"(30)

قرآن کریم نبی کریم ﷺ پر نزول سے قبل نص الٰہی (Divine Text) کہلاتا ہے اور جب نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوگیا تو وہ نص انسانی (Human Text) میں داخل گیا۔ کیوں کہ اب قرآن کریم نص سے تاویل کی طرف منتقل ہوگیا ہے "لانہ تحول من التنزیل الی التاویل"۔(۳۱)

نصر حامد کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تاویل قرآن ہمارے لیے حجت نہیں ہے کیوں کہ آپ ﷺ انسان ہیں اور انسانی کلام وقت، مکان اور ثقافت کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اگر آپ ﷺ کی تاویل کو حجت قرار دیا جائے تو اسلام اور عیسائیت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ جس طرح عیسائیت میں پاپائیت ہوتی ہے اسی طرح نعوذ باللہ آپ کی حیثیت ہوجائے گی۔(۳۲)

ابوزید کا کہنا ہے کہ کسی بھی فردی قرآنی تاویل کسی کے لیے کبھی بھی حرف آخر "فہم مطلق" نہیں ہو سکتی، یہ ہمیشہ اضافی (فہم نسبی) رہے گی کیوں کہ قرآن کریم کا فہم جاننے والے پر دلالت کرتا ہے، اور فہم قرآن تمام افراد کا ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ تفاسیر قرآن کو بھی زمان، مکان اور ثقافت کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ قدیم مفسرین کے فکری تسلط (سلطۃ القدماء) سے بچنا چاہیے۔(۳۳)

نصر حامد ماہر لسانیات سوسیور کے نظریہ کے متعلق کہتے ہیں کہ سوسیور سے بہت پہلے علم بلاغت میں معروف نام علامہ عبدالقاہر جرجانی نے یہ نظریہ پیش کر دیا تھا کہ لفظ اور معنی کے مابین تعلق ذاتی نہیں اتفاقی (Arbitrary) ہوتا ہے:

وهنا صاغ المفكرون المسلمون مفهوم اللغة بوصفها نظاماً من العلامات شأنها شأن أنظمة العلامات الأخرى كالحركات والاشارات. وذهب الشيخ عبدالقاهر الجرجاني. شيخ البلاغيين العرب والمسلمين. الىٰ أن الألفاظ لا تدل على المعاني بذاتها بل بالاتفاق، وليس هناك علاقة ضرورية بين اللفظ 'ضرب' والحدث الذي يدل عليه في الخارج، حدث 'الضرب' الواقعي، بل اللفظ علاقة تدل على الحدث، وكان يمكن أن تدل عليه علامة لفظية أخرى لو كان قد حدث اتفاق عليها. وظل الفكر اللغوي يرى العلاقة بين اللفظ والمعنى علاقة اصطلاح مباشرة حتى جاء العالم السويسري 'الفريد دي سوسير' في كتابه المهم محاضرات في علم اللغة وأضاف الىٰ مفهوم العلامات بعداً جديداً، حيث ذهب الىٰ أن العلاقة بين 'اللفظ أو الدال' و'المعنى أو المدلول' علاقة اصطلاح. لكنه عمق مفهوم الدال ومفهوم المدلول

بعیداً عن مسالة اللفظ و المعنی. (۳۴)

مختصر یہ کہ نصر حامد قرآن کریم کو قانونی دستاویز کے طور پر نہیں بلکہ ایک شاہکار کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور معاصر ادبی مباحث کے ساتھ ساتھ ساختیاتی لسانیاتی مباحث کا اطلاق قرآن کریم پر کرتے ہیں۔

ساختیاتی لسانیات اور ترجمہ قرآن کریم

ساختیاتی منہج کے تحت یہ بحث سامنے آتی ہے کہ کیا کسی متن یا تحریر کو دوسری زبان میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے؟ اس منہج کے تحت کسی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ممکن نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ ہر زبان اپنا ثقافتی پس منظر رکھتی ہے۔ ہر بات کسی ثقافتی پس منظر میں کہی جاتی ہے۔

معروف ماہر لسانیات ایڈورڈ ساپر (Edward Sapir) کا کہنا ہے کہ زبان سماجی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ بنی نوع انسان محض زبان ہی کے رحم و کرم پر ہیں کیوں کہ یہ اپنے سماج کے لیے مافی الضمیر کے اظہار کا واحد ذریعہ ہے۔ زبان و ثقافت میں اختلاف کی وجہ سے افراد مختلف دنیاؤں میں رہتے ہیں۔ اس لیے ترجمہ ناممکن ہے:

> "No two languages are ever sufficiently similar to be considered as representing the same social reality. The worlds in which different societies live are distinct worlds, not merely the same world with different labels attached."(35)

منہج ساختیت کی رو سے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ممکن نہیں ہوتا ہے کیوں کہ ہر ثقافت اپنے ثقافتی ضوابط (Cultural Codes) رکھتی ہے اور کوئی بھی تحریر یا تقریر اسی محاورے میں چوں کہ کہی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس محاورہ کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح قرآن کریم کے الفاظ جو ضوابط (Codes) کی حیثیت رکھتے ہیں اسی ثقافتی پس منظر میں کھلیں (Decode) گے۔ آج کا ثقافتی پس منظر چوں کہ بدل چکا ہے لہٰذا قرآن کریم کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ کے متعلق ارتسو کہتے ہیں کہ کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی بات کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''کسی زبان کے ترجمے کے ذریعے اصل زبان کے متن کے بارے میں جو معلومات مہیا ہوتی ہیں وہ بالواسطہ ہوتی ہیں۔ اور ان پر قطعی انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ ترجمے میں الفاظ اور جملے اگر اصل کے قریب بھی ہوں تو وہ زیادہ سے زیادہ جزوی مطابقت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ہماری اولین کوششوں میں عارضی رہنمائی تو کر سکتے ہیں، لیکن ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ وہ اکثر ناکافی اور بعض صورتوں میں گمراہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ بہر صورت کسی قوم کی اخلاقی کائنات کے تصور کی ہیئت کا تجزیہ کرنے کے لیے ترجمہ کبھی قابل اعتماد بنیاد فراہم نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ جب ہم کوئی عبارت اصل زبان میں بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں

تو قطعاً لاشعوری طور پر ہم اس عبارت میں اپنے ہی تصورات پڑھنے لگتے ہیں جو ہماری مادری زبان نے ہمارے ذہن پر نقش کیے ہوتے ہیں۔ چناں چہ ہم اس عبارت کے اگر سارے نہیں تو بہت سے کلیدی الفاظ کے مفہوم کو اپنی مادری زبان میں دستیاب ملتے جلتے تصورات میں تبدیل کر کے سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ دراصل ہم اس اصل زبان کی عبارت کو بھی ترجمے کی شکل میں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔"(۳۶)

حامد نصر ابوزید نے چوں کہ ساختیاتی منہج کے پس منظر میں قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے، اس لیے ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم کا غیر عربی زبان میں ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم سادہ اور عام فہم عربی زبان میں نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بلسان عربي مبين﴾ (۳۷) اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس قوم کی زبان کا لحاظ کیا ہے جس کی طرف پیغام بھیجا جا رہا ہے: ﴿وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين﴾ (۳۸) تاکہ اللہ کا پیغام مخاطب قوم تک واضح طور پر پہنچ سکے اور حجت تمام ہو جائے۔ اس بات کو اگر ایک اصول کے طور پر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اس کی اپنی زبان میں مخاطب ہوتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں ہے؟ اگر کوئی غیر عربی زبان کا لفظ نہیں ہے تو الفاظ جیسے فردوس، انجیل، طاغوت، محراب وغیرہ کے بارے میں کیا خیال ہے جب کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ غیر عربی الاصل ہیں۔ چناں چہ یہ بحث عہد اسلامی میں ابتدائے اسلام سے چلی آ رہی ہے جس کے متعلق علمائے کرام مختلف الآراء ہیں۔ امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ/۸۰۵ء) اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی غیر عربی زبان کا لفظ نہیں ہے:

و القرآن يدل على أن ليس من كتاب الله شيئ الأ بلسان العرب. (۳۹)

اسی طرح ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ/۸۸۱ء) غیر عربی الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قرآن کے وہ الفاظ جن کو غیر عربی کہا جاتا ہے، وہ نزول قرآن سے بہت پہلے عرب میں مستعمل ہو چکے تھے، یہ الفاظ عربیت میں داخل ہو چکے اور فصیح عربی میں متداول ہو چکے تھے۔ (۴۰)

عربی زبان کی اس قدر خاصیت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمان علماء کی اکثریت اس بات کی قائل نظر آتی ہے کہ قرآن کریم کو کسی بھی زبان میں ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔

زبان براہ راست حقیقت کی طرف رہنمائی نہیں کرتی بلکہ حقیقت کو صوتی نظام کے ذریعے تصور کیا جاتا ہے، قابل فہم بنایا جاتا ہے، اور پھر نشان زد کیا جاتا ہے:

"Language never refers directly to reality, but reality conceived, conceptualized, and then symbolized by the sound system."

قرآنی زبان میں دال (Signifier) اور مدلول (Signified) کا باہمی تعلق انسانی کونٹیکسٹ یعنی ثقافتی پس منظر سے

ممکن ہے۔ دال اور مدلول کے باہمی تعلق میں کچھ بھی الٰہی نہیں ہے:

"Even in Quranic language, the relationship between the signifier and signified existed only by human convention. There is nothing divine in this relationship itself."

نصر حامد ابوزید بحث کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ نہ صرف ناممکن ہے بلکہ منع ہے۔ البتہ اسلام جاننے اور سیکھنے کی غرض سے قرآن کریم کے ترجمہ کی نہیں بلکہ اس کے معانی کے ترجمہ کی اجازت دی جا سکتی ہے:

"Last but not least, since the Quran is the supreme Arabic text, translation is not only impossible but forbidden. What is allowed is translation of the 'meanings' for the sake of knowing and learning about Islam."(41)

اس طرح ساختیاتی منہج اور جدید لسانیاتی مباحث کی روشنی میں کسی متن کا دوسری زبان میں ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ قرآن کے معانی کا ترجمہ دوسری زبان میں دین کی تفہیم کے لیے کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1. Tobin, Y., "Structuralist Phonology: Prague School", in Encyclopedia of Language and Linguistics, 2nd edition, Editor-in-Chief: Keith Brown, Elsevier, London, UK, 2006, p. 170.

2. Morris, C. W., Signification and Significance, Cambridge University press, 1968. see also : Oxford Dictionary of Philosophy, Simon Blackburn, 2005.

3. F. Nuessel, "Semiotics", in Encyclopedia of Language and Linguistics, 2nd edition, Editor-in-Chief: Keith Brown, Elsevier, London, UK, 2006, p. 193.

4. : see Oxford Dictionary of Philosophy, Simon Blackburn, 2005.

5. F. Nuessel, "Semiotics", in Encyclopedia of Language and Linguistics, p. 193.

6. Tobin, Y., "Structuralist Phonology: Prague School", in Encyclopedia of Language and Linguistics, p. 170.

7. Terence Hawkes, Structuralism & Semiotics, published by Methuen & Co. Ltd. 1997, p. 16.

۸۔ ابوزید، نصر حامد، النص، السلطة، الحقیقة، المرکز الثقافی العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص ۸۱۔

۹۔ ابوزید، نصر حامد، النص، السلطة، الحقیقة، المرکز الثقافی العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص ۸۱۔

10. Petrilli, S., "Structure and Structuralism: Semiotic Approaches", in Encyclopedia of Language and Linguistics,p. 179.

۱۱۔ المعارف مجلہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، جولائی۔ ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۷۱۔

12. Petrilli. S., "Structure and Structuralism: Semiotic Approach", in Encyclopedia of Language and Linguistics, p. 178

13. Arkoun, Muhammad, "Rethinking Islam Today," in Mapping Islamic Studies: Genealogy, Continuity and Change, edited Azim Nanji, Walter de Gruyter & Co., New York, 1997, p. 223.

14. Arkoun, Muhammad, Islam: To Reform or to Subvert?, Saqi Essentials, London, 2006, p. 63.

15. Izutsu, Toshihiko, God and Man in the Quran: Semantics of the Quranic Weltanschauung, Sohail Academy, Lahore, 2005, p. 3.

۱۶۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۹۔

17. Izutsu, Toshihiko, Ethico-Religious Concepts in the Quran, McGill-Queen's University Press, Canada, 2002, p. 10.

۱۸۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۸۔

19. Izutsu, Toshihiko, God and Man in the Quran, p. 17.

20. Izutsu, Toshihiko, God and Man in the Quran, p. 3.

21. Izutsu, Toshihiko, God and Man in The Quran, p. 3.

۲۲۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ص ۳۵۔

۲۳۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ص ۴۱۔

۲۴۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ص ۴۴۔

۲۵۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ص ۴۴۔

۲۶۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، مترجم: خالد مسعود، ص ۸۲ تا ۹۳۔

۲۷۔ سورۃ لقمان، آیت نمبر ۲۷۔

۲۸۔ سورۃ کہف، آیت ۱۰۹۔

29. Nasr, Hamid Abu Zayd, The Quran: God and Man in Communication, paper delivered in a lecture in Leiden University, p. 4.

http://www.let.leidenuniv.nl/forum/01_1/onderzoek/lecture.pdf

30. Nasr, Hamid Abu Zayd, The Quran: God and Man in Communication, p. 4.

۳۱۔ نصر، حامد ابو زید، نقد الخطاب الدینی، القاہرہ ۱۹۹۴ء، ص ۹۳۔

۳۲۔ نصر، حامد ابو زید، نقد الخطاب الدینی، ص ۹۳۔

۳۳۔ نصر حامد ابو زید، مفہوم النص، القاہرہ ۱۹۹۰ء، ص ۲۸۔ النص، السلطۃ، الحقیقۃ، المرکز الثقافی العربی، بیروت ۱۹۹۵ء۔

۳۴۔ نصر حامد ابو زید، النص، السلطۃ، الحقیقۃ، ص ۷،۸،۹۔

35. Edward Sapir, Culture, Language and Personality, (Berkeley, Los Angeles: University of California Press, 1956), p. 69.

۳۶۔ ازتسو، توشی ہیکو، دینی اخلاقیات کے قرآنی مفاہیم، ترجمہ: خالد مسعود، ص ۳۰۔

۳۷۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۱۰۳۔

۳۸۔ سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۴۔

۳۹۔ شافعی، محمد بن ادریس، الرسالہ، تحقیق: احمد محمد شاکر، الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۴۲۔

۴۰۔ السید یعقوب بکر، نصوص فی فقہ اللغۃ، بیروت، ۱۹۷۱ء، ج ۲، ص ۳۳۔ بحوالہ:

Nasr, Hamid Abu Zayd, "The Translation of the Quran: An Impossible Task," in Innovation in Islam: Translations and Contributions, edited by Mehran Kamrava, published by University of California Press, Los Angeles, London, 2011, p. 106.

41. Nasr, Hamid Abu Zayd, "The Translation of the Quran: An Impossible Task," p. 108.